Social and Literary Debates on Homosexuality: A Study of the Contemporary Urdu Novel “Us Ne Kaha Tha”

ہم جنسیت کے سماجی و ادبی مباحث: معاصر اردو ناول ”اس نے کہا تھا“ کا مطالعہ

Muhammad Saleem Sarwar*[1]
PhD Scholar, Department of Urdu, NUML, Islamabad
Dr.Saima Nazir *[2]
Assistant Professor, Department of Urdu, NUML,Islamabad.
Dr.Nadeem Akhtar*[3]
Nescom Research Scholar

☆[1] **محمد سلیم سرور**
پی ایچ ڈی سکالر، شعبہ اردو، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد
☆[2] **ڈاکٹر صائمہ نذیر**
اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اُردو، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد
☆[3] **ڈاکٹر ندیم اختر**
نیسکام ریسرچ سکالر

Correspondance: Chandbhatti187@gmail.com

eISSN:**3005-3757**
pISSN: **3005-3765**

Received: 14-04-2026
Accepted:23-06-2026
Online:28-06-2026

Copyright:© 2026 by the authors. This is an access-openarticle distributed under the terms and conditions of the Creative Common Attribution (CC BY) license

ABSTRACT: This article explores the concept of homosexuality from historical, social, and literary perspectives. It begins by defining homosexuality and tracing the emergence and development of homosexual movements in different parts of the world. The study briefly examines the major arguments advanced by both supporters and opponents of homosexuality, highlighting the cultural, religious, legal, and human rights dimensions of the debate.The article further discusses the representation of homosexuality in literary traditions, with particular attention to modern fiction. It investigates how literary texts have reflected changing social attitudes toward sexuality and gender identities. In the final section, selected passages from the

contemporary Urdu novel Us Ne Kaha Tha are analyzed to examine the depiction of homosexual relationships, identity formation, and the socio-cultural implications of such representations. Through textual analysis, the study demonstrates that homosexuality in contemporary Urdu fiction functions not merely as a personal or sexual phenomenon but also as a significant social and cultural discourse. The article aims to contribute to the understanding of sexuality studies and contemporary Urdu literary criticism by situating literary representations within broader historical and ideological contexts.

KEYWORDS: Homosexuality, Gay Identity, Lesbianism, Homosexual Rights Movement, Global Responses to Homosexuality, Homosexuality in Fiction, Us Ne Kaha Tha.

ہم جنسیت پرستی جنسیت کی ایک مخصوص جہت ہے جس سے مراد کہ ایک فرد اپنے ہی جنس کے فرد کی طرف جنسی رغبت دکھاتا ہے، اگر یہ دونوں افراد مرد ہوں تو انھیں 'گے' اور اگر عورتیں ہوں تو 'لیسبین' کہتے ہیں۔ ہم جنسیت (Homosexuality) کا لفظ پہلی بار ۱۸۶۹ء میں سوئٹزرلینڈ کی ڈاکٹر کیرولے ماریہ بینکرٹ نے استعمال کیا مگر اس وقت اس کا استعمال عام اور جنسیت کے لیے مخصوص نہیں تھا، بعد ازاں ماہر جنسیات ہیولاک ایلس نے ۱۸۹۲ء میں جب یہ لفظ جنسیت میں بطور مخصوص اصطلاح استعمال کیا تو اس کا استعمال بڑھ گیا۔ سماجی اور تاریخی اوراق میں اس کشش کو جنسی انحراف کا نام دیا جاتا رہا ہے، جدید دور میں بڑھتی ہوئی لسانی و ثقافتی تحقیق بالخصوص (Queer Theory) نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ اس قسم کا جنسیاتی تصور محض حیاتیاتی نہیں بلکہ معاشی و تہذیبی تشکیل کی ایک کڑی ہے۔ ۱۹۵۵ء لا آف انسٹی ٹیوٹ کی جانب سے ہم جنس پرستی کے قانون کی سفارش پیش کی گئی جسے ۱۹۶۱ء میں امریکہ میں قبول کر لیا گیا۔ امریکہ کے بعد، فرانس، سویڈن، ڈنمارک اور اب تو دنیا کے تقریباً ۹۲ ممالک ہم جنسی کے قوانین کی نہ صرف تائید کرتے ہیں بلکہ حقوق کے لیے حمایت بھی کرتے ہیں۔

انگریزی زبان کی ترکیب ہوموسیکشوایل کے لیے اردو میں ہم جنس اور ہوموسیکشوایلٹی کے لیے ہم جنسیت کی ترکیبیں بالترتیب رائج ہیں۔ ہوموسیکشوایلٹی کا تعلق ہم جنسیت سے مطلب ایک ہی جنس کے دو افراد چاہے وہ دو عورتیں ہوں یا دو مرد، جب وہ آپس میں جنسی تعلق قائم کرتے ہیں تو انھیں ہوموسیکشوایلٹی یا ہم جنسیت کہتے ہیں۔ بعد ازاں ان دونوں

گروہوں کے لیے الگ الگ تراکیب بھی رائج ہوئی ہیں، ہم جنس مردوں کے لیے "گے" اور ہم جنس پرست عورتوں کے لیے "لیسبین" کی اصطلاحیں رائج ہوئی ہیں۔ ان اصطلاحوں کی ابتدا کے متعلق ڈاکٹر خالد سہیل لکھتے ہیں:

> "ہوموسیکشوایلٹی (Homosexuality) کی ترکیب یونانی لفظ (Homo) سے مرکب ہے جس کا مطلب ہے "ایک جیسا" اور سیکشوایلٹی (Sexuality) سے مرکب ہے۔ جب دو انسان چاہے وہ دو مرد ہوں یا دو عورتیں آپس میں جنسی تعلقات قائم کرتے ہیں تو وہ ہوموسیکشوایل تعلقات کہلاتے ہیں۔ روزمرہ کی بول چال میں ایسے لوگوں کے لیے "گے (Gay)' ' کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ عورتوں کے لیے لیسبیئنزم (Lesbianisim) کا لفظ مقبول عام ہے۔ یہ لفظ یونانی شاعر سیفو (Sappo) کا عطا کردہ ہے جس نے سب سے پہلے جزیرہ لیسبوس (Lesbos) میں دو عورتوں کے باہم جنسی تعلقات کے بارے میں لکھا تھا"۔[۱]

ہوموسیکشوایل کی ترکیب سب سے پہلے امریکی کتابوں میں لکھی ہوئی ملی، کتابوں میں لکھے ہوئے کسی لفظ کے ملنے کا مطلب ہے وہ لفظ سماج میں عام یا خاص لوگوں کی زبان پر آ چکا تھا۔ کتابوں کے بعد اخبارات کی بات کی جائے تو امریکہ ہی کے اخبار "نیویارک ٹائمز" نے ہوموسیکشوایل کی ترکیب ۱۹۲۶ء اور ہیٹروسیکشوایل کی ترکیب ۱۹۳۰ء میں استعمال کی تھی۔ نیویارک ٹائمز نے ۱۹۶۳ء میں "گے" کا لفظ استعمال کیا تھا مگر دلچسپ بات یہ ہے کہ بعض حلقوں میں ان لفظوں کو آج بھی قبول نہیں کیا جاتا حتیٰ کہ نیویارک ٹائمز کے یہ الفاظ استعمال کرنے کے چند سال بعد ہی ٹائمز رسالے نے 'گے' اور 'لیسبین' کے لفظ استعمال کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ شمالی امریکہ میں ان لفظوں کے استعمال کے ساتھ ساتھ ہم جنسیت کی عملی صورت بآسانی دیکھی جا سکتی ہے۔ مطلب ہم جنس مرد اور ہم جنس عورتیں ہیٹروسیکشوایل کی طرح بآسانی جوڑے بنا کر اپنے اپنے گھروں میں رہتے ہیں اور سکون کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔

ہم جنسیت پر سب سے پہلے تحقیقی نگاہ ڈالنے والے جرمن سے تعلق رکھنے والے ہرشفیلڈ ہیں، انہوں نے ۱۹۲۰ء میں مختلف شعبہ ہائے زندگی اور مختلف عمروں کے لوگوں سے پرفارمے کے ذریعے ہم جنسیت کے متعلق سوالات کیے اور پھر نتائج مرتب کر کے مضامین شائع کیے۔ ہرشفیلڈ کی رپورٹ میں ہوموسیکشوئل اور ہیٹروسیکشوئل کی مہیا کردہ تفصیل کو ڈاکٹر خالد محمود اپنی کتاب "لیسبین اور گے، ادب اور زندگی" میں نقل کرتے ہیں:

"۹۴ فیصد لوگ ہیٹرو سیکشول ہیں، ۲ سے ۳ فیصد لوگ ہوموسیکشوئل ہیں اور ۳ سے ۶ فیصد لوگ بائی سیکشوئل (BISEXUAL) زندگی گزار رہے تھے۔ اگرچہ ماہرین کا خیال ہے کہ ہرشفیلڈ کی ریسرچ سائنس اور تحقیق کے اعلیٰ معیاروں پر پوری نہیں اترتی لیکن اس دور میں اس منزل کی طرف پہلا قدم اٹھانا ہی مجاہدانا عمل تھا۔ ہرشفیلڈ کے بعد انگلینڈ میں ہیولاک ایلس نے ۱۹۳۶ء میں اس موضوع پر تحقیق کی۔ اس نے ہرشفیلڈ کی تحقیق سے بھی استفادہ کیا"۔(۲)

ہیولاک ایلس نے ہرشفیلڈ کے تجربے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ہوموسیکشوایلٹی پر مزید باریک بینی سے تحقیق کی اور معاشرتی حقائق کے تناظر میں نتائج مرتب کیے۔ ایلس نے بتایا کہ مرد ۲ سے ۵ فیصد اور عورتیں ۴ سے ۱۰ فیصد تک ہوموسیکشوایلٹی کا شکار ہیں۔ ہیولاک ایلس کے بعد ہوموسیکشوایلٹی پر کھل کر بات ہونے لگی اور اس بات کا اندازہ کیا جانے لگا کہ عمر کے مختلف حصوں اور زندگی کے مختلف شعبوں میں ہوموسیکشوایلٹی کی فیصد مختلف ہے۔ ریمزی نے ۱۹۴۳ء میں ہوموسیکشوایلٹی پر تحقیق کی اور دلچسپ نتائج برآمد کیے کہ امریکہ میں ۳۵فیصد نوجوان ہوموسیکشوایلٹی کا شکار ہیں۔ ہمیلٹن نے اٹھارہ سال سے کم عمر لوگوں پر تحقیق کی اور بتایا کہ ۱۷ سال کی عمر تک نوجوان ہم جنسیت کا شکار رہتے ہیں۔ ہمیلٹن کے بعد فنگر نے کالج کے طلباء پر تحقیق کی اور بتایا کہ ۲۷ فیصد نوجوان ہم جنسیت میں مباشرت کرتے ہوئے معراج کی حد کو چھوتے ہیں۔ ان لوگوں کی تحقیق نے کنسے کے لیے راستے ہموار کیے اور اس شخص نے ہزاروں لوگوں سے براہ راست مل کر امریکہ میں ہم جنسیت کے متعلق رپورٹ تیار کی۔ جسے آج بھی ہوموسیکشوایلٹی میں سند کا درجہ حاصل ہے۔

مرد اور عورتیں جب اپنے ہم جنس یا جنس مخالف کی طرف مائل ہو جاتے ہیں تو ان کی اگلی خواہش ہوتی ہے کہ وہ اب جنسی ملاعب ومقاربت سے لطف اندوز ہوں۔ ان جوڑوں کے درمیان جنسی تعلقات کے مختلف زاویے ہوسکتے ہیں مطلب رومانویت، مباشرت اور لطف اندوزی، مباشرت لطف اور افزائش نسل یا صرف افزائش۔ جنسی لحاظ سے صحت مند لوگ اس تعلق کو بآسانی اور بخوبی نبھاتے ہیں اور کچھ لوگ جنسی طور پر بیمار ہوتے ہیں اور وہ جنسی فعل سے بھرپور طریقے سے لطف اندوز ہونے سے محروم ہوتے ہیں مگر وہ لوگ بھی جنسی تعلق قائم کرنا چاہتے ہیں۔ جو مرد چاہتے ہوئے بھی مباشرت نہیں کرسکتے وہ IMPOTENT کہلاتے ہیں۔ ایسے مردوں کے عضو میں سختی پیدا نہیں ہوتی اگر ہوتی بھی ہے وہ اتنی دیرپا اور شدید نہیں ہوتی کہ وہ جنسی عمل سے لطف اندوز ہوسکیں۔ جو عورتیں جنسی خواہش رکھنے کے باوجود جنسی لذت سے محروم رہتی ہیں اور جنسی معراج (ORGASM) تک نہیں پہنچ پاتیں، (FRIGID) کہلاتی ہیں۔

مذکورہ بالا مردوں اور عورتوں کے بابت ڈاکٹروں اور ماہرینِ نفسیات کا خیال ہے کہ ایسے لوگ عام طور پر صحت مند ہوتے ہیں مگر وہ کسی نفسیاتی تضاد یا ذہنی خلفشار کا شکار ہوتے ہیں اگر وہ علاج کروائیں تو ٹھیک ہو سکتے ہیں۔ جنسی فعل میں ناکامی کا تعلق ہوموسیکشوایلٹی یا ہیٹروسیکشوایلٹی سے نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق جسمانی کمزوری یا نفسیاتی مسائل سے ہے۔

خطہ پاک و ہند بالخصوص ہندوستان کی بات کی جائے تو وہاں ۲ جولائی ۲۰۰۹ء کو ہندوستان کا ایک مقامی اخبار یہ خبر شائع کرتا ہے کہ انڈین پینل کوڈ کی دفعہ ۳۷۷ کو غیر آئینی قرار دیا گیا ہے۔ اس کا مطلب ہے ہم جنسیت پر ہندوستانی قانون کے مطابق عمر قید یا دس سال مع جرمانہ جو سزا تھی وہ ختم کر دی گئی ہے۔ مغربی ممالک کے بعد مشرقی ممالک میں بھی ہم جنسیت کو پروموٹ کیا جا رہا ہے، بین الاقوامی سطح پر جہاں انٹرنیشنل ایمنیسٹی جیسی تحاریک کام کر رہی ہیں وہاں مشرقی ممالک میں بھی ۱۹۹۹ء میں کلکتہ وال آف اسٹون کے دن کے موقع پر جلوس اور پھر پارلیمنٹ اور دیگر سطحوں پر ان کے حقوق کے لیے کی جانے والی کاوشیں اس بات کا بین ثبوت ہیں کہ مشرق بھی ہم جنسیت کے معاملے میں مغرب سے پیچھے نہیں ہے۔ ویب سائیٹ نیوز ۱۸ انڈیا کے مطابق ہندوستان میں ہم جنس پرستوں کی تعداد قریباً ۲ سے ۵ فیصد تک ہے اور مرکزی حکومت نے سپریم کورٹ کو جو رپورٹ پیش کی ہے اس کے مطابق ۲۰ لاکھ ہم جنسیت پرستی کا شکار ہیں۔

انسانی معاشرے میں نقل کا مادہ عام پایا جاتا ہے، بچے بہت سے معاملات میں اپنے گھر والوں کی نقل کرتے ہیں۔ نقل صرف انسانی معاشرے کی خاصیت ہی نہیں بلکہ دیگر جاندار گروہوں میں اس کے جزوی اور کلی اثرات مختلف صورتوں میں موجود ہیں۔ بچے بول چال، کھانے پینے اور دیگر معاملات میں کچھ لوگوں کو اپنا آئیڈیل بنالیتے ہیں۔ جنسی معاملات میں بھی اسی طرح بچے جب شعور کی عمر میں داخل ہوتے ہیں تو جوڑوں کو دیکھتے اور ان کی کشش کو محسوس کرتے ہیں تو خود بخود جنس مخالف یا ہم جنس کی طرف رغبت دکھانا شروع کر دیتے ہیں۔ جنسی رغبت اور ابتدائی عمر کے متعلق ڈاکٹر خالد محمود لکھتے ہیں:

> "انسانی بچے جب سن بلوغت تک پہنچتے ہیں تو وہ دوسرے انسانوں کو جنسی طور پر کشش پاتے ہیں اور ان کے ساتھ جنسی تعلقات استوار کرنے کے خواہش مند ہوتے ہیں۔ اکثر نوجوان جنس مخالف کے افراد کو (عورتیں مردوں کو اور مرد عورتوں کو) جنسی طور پر پر کشش پاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو ہم ہیٹروسیکشوئل کہتے ہیں۔ لیکن کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو اپنی جنس کے افراد کے ساتھ (مرد مردوں کے ساتھ اور عورتیں عورتوں کے ساتھ) جنسی تعلقات قائم کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو ہم ہوموسیکشوئل کہتے ہیں"۔ (۳)

کنسے نے لوگوں کے جنسی میلانات کو سمجھنے کے لیے انھیں سات گروہوں میں تقسیم کیا۔ جن سات گروہوں کی تفصیل خالد سہیل کی کتاب سے نقل کرتے ہیں (۴)

گروہ نمبر (۰): ایسے لوگوں کا گروہ ہے جو صرف اور صرف جنس مخالف میں ہی جنسی کشش محسوس کرتے ہیں۔ جنسی تعلقات صرف اور صرف جنس مخالف سے ہی قائم کرتے ہیں اور پوری زندگی میں ایک بار بھی ہم جنسیت کا شکار نہیں ہوتے۔ اس گروہ میں مرد اور عورتیں دونوں اصناف شامل ہیں۔

گروہ نمبر (۱): یہ ان لوگوں کا گروہ ہے جو بنیادی طور پر تو ہٹرو سیکشوایل ہی ہوتے ہیں مگر گروہ نمبر صفر سے قدرے مختلف مطلب زندگی میں ایک یا دو بار ہم جنس سے لذت کشید کرنے کا تجربہ حاصل کر چکے ہوتے ہیں۔ اس گروہ میں بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جو جنسیت کے تجربے کے لیے یا کسی اور مجبوری کی بنا پر ایک آدھ بار ایسا کر چکے ہوتے ہیں۔

گروہ نمبر (۲): یہ گروہ بھی بنیادی طور پر ہیٹرو سیکشوایل میں ہی آتا ہے مگر گروہ نمبر ایک کے مقابلے میں قدرے زیادہ ہم جنسیت سے لذت کشید کرنے کا تجربہ رکھتے ہیں۔ اس گروہ کے افراد ہیٹرو سیکشوایل ہونے کے باوجود کبھی کبھی ہم جنسوں سے بھی لطف اندوز ہوتے ہیں۔ اس گروہ کا مقصد افزائش نسل یا رومانویت نہیں بلکہ صرف اور صرف مباشرت ہوتا ہے۔

گروہ نمبر (۳): یہ گروہ ہم جنس اور جنس مخالف میں جنسیت کے لیے توازن اختیار کیے ہوئے ہوتا ہے۔ مطلب دونوں جنسوں برابر کشش محسوس کرتا ہے۔ دونوں گروہوں سے مثلاً ایک مرد ہے تو وہ عورت اور مرد سے برابر کشش محسوس کرتا ہے اور یکساں لذت حاصل کرتا ہے۔

گروہ نمبر (۴): یہ ایسے لوگوں کا گروہ ہے جنسی رجحان تو اپنے ہم جنسوں کی طرف رکھتے ہیں مگر کبھی کبھی جنس مخالف کی طرف بھی مائل ہو جاتے ہیں۔ یعنی یہ ایک ہم جنسوں کا گروہ ہے جو کبھی کبھار جنس مخالف سے بھی مباشرت کر لیتا ہے۔

گروہ نمبر (۵): یہ ایسے لوگوں کا گروہ ہے جو بنیادی طور پر ہم جنسیت ہی ہوتا ہے مگر ایک یا دو بار زندگی میں جنس مخالف سے بھی لذت کشید کر چکا ہوتا ہے۔ یہ لوگ ہیٹرو سیکشوایلٹی سے باغی نظر آتے ہیں مگر وقت، حالات یا حسن جمال میں پھنس زندگی میں ایک دو بار جنس مخالف سے بھی ملذذ ہو چکے ہوتے ہیں۔

گروہ نمبر (۶): ایسے لوگ مکمل طور پر ہم جنسیت کا شکار ہوتے ہیں اور تمام زندگی اپنے ہم جنسوں سے مباشرت کر کے لذت حاصل کرتے ہیں۔ ایسے افراد جنس مخالف میں نہ کشش محسوس کرتے ہیں اور نہ ہی ان سے مباشرت کرتے ہیں۔ ہیٹرو سیکشوایل کے گروہ نمبر (۰) کی طرح صرف اور صرف ایک ہی گروہ یا ہم جنس میں کشش پاتے ہیں اور انہی سے لذت حاصل کرتے ہیں۔

مغربی ممالک میں ہم جنس جوڑوں کی شادیاں باقاعدہ روایت کی صورت اختیار کر چکی ہیں، ان جوڑوں کو قانونی طور پر حقوق اور تحفظ بھی حاصل ہو رہا ہے۔ کچھ حقوق ایسے ہیں جن کے لیے مختلف ممالک میں مختلف تحاریک وجود پا رہی ہیں۔ ان تحاریک آزاد خیال مغربی باشندوں اور فیمینسٹ خواتین کی سربراہی حاصل ہے۔ جس طرح ہم جنس پرست مردوں نے ''گے'' کے نام سے اپنے وجود کا اعتراف دنیا بھر میں کروایا، اسی طرح خواتین نے بھی باہم جوڑے بنانے کے لیے ''لیسبین'' کے نام سے اپنے جوڑے کو دنیا بھر میں مقبول کروایا۔ امریکہ میں وال اسٹون کا واقعہ ہو یا کلکتہ میں ۱۹۹۹ء میں اسی قسم کی آزادی کا جلوس ہو یا کینڈا میں ایسے جوڑے کے وراثتی حقوق کے لیے پارلیمنٹ میں پیش ہونے والا بل ہو، سب باتیں ہم جنس جوڑوں کی جنسی آزادی کی علمبر داری کرتی نظر آتی ہیں۔ ہندوستان میں ٹائمز آف انڈیا کے مطابق ۲۷ جون ۲۰۰۱ء کو چھتیس گڑھ پہلے لیسبین جوڑے نے شادی کی اور اب تو باقاعدہ طور پر بنیور سیمسن نے ہم جنس جوڑوں کے لیے شادی ہال بھی بنا دیا ہے۔

لیسبین ازم میں ایک عورت دوسری عورت سے محبت کا اظہار کرتی ہے، دوسری عورت کی طرف جذباتی، جنسی یا وجودی خود وابستگی کے ساتھ ساتھ مکمل خود سپردگی کا رجحان بھی دکھا سکتی ہے۔ انسانی تاریخ میں اسے دبانے کے ساتھ ساتھ سماجی طور پر ممنوعہ اور خاموش خواہش قرار دیا۔ کیونکہ عورت کی جنسیت کو مرد سے مرد تک مطلب مکمل طور پر مرد کے تابع رکھا جاتا ہے۔ اناماری جاگوز اپنی کتاب ''کوئیر تھیوری'' میں لکھتی ہیں:

> "Lesbian identity unsettles the very logic of heterosexuality."(۵)

"لیسبین جنس کے اس دوٹوک نظام کو رد کرتی ہے جو عورت کو ہمیشہ مرد کے مقابل لا کھڑا کرتا ہے"۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ لیسبین ازم صرف جنسی رجحان نہیں بلکہ ذاتی اختیارات اور خود مختاری کی علامت ہے۔ اس تحریک نے عورت کو خواہش اور جسم پر پابندی اور انتخاب پر اقتصادی اور سماجی تسلط کے خلاف آواز اور خاموش مزاحمت کی ہمت بخشی ہے۔

فوکو کے نزدیک جنسیت طاقت کی پیداوار ہے، اور فیڈریچی کے مطابق عورت کے جسم کو معیشتی پیداوار میں شامل کر کے اس کی شناخت کو محدود کیا گیا۔ ان دونوں تصورات کے درمیان، جاگوز کا ''کوئیر نقطۂ نظر'' اس رجحان کو ایک متبادل شناختی امکان کے طور پر پیش کرتا ہے ایسا امکان جو عورت کو نہ صرف مردانہ جبر سے آزاد کرتا ہے بلکہ جنسیت کو سماجی تعریفات سے ماورا کر دیتا ہے۔

ہم جنسیت کی تحریک نے اردو ادب میں جنسیت کے کھل کر بیان کرنے کے حوالے سے گہرے اثرات مرتب کیے، جنسیت پر دبے لفظوں یا طوائف کے کوٹھے کی بات تو بیسویں صدی کے ناولوں میں مل جاتی ہے مگر جس طرح مغربی

ادب میں ہم جنسیت کے حوالے سے کھل کر بات کی جاتی ہے اردو ادب میں ایسی جرات بیسویں صدی کے مخصوص ادیبوں کے علاوہ کم ہی دیکھنے کو ملی ہے۔جب عصمت چغتائی نے اپنے افسانے "لحاف" ہم جنسیت کے قصے کو چھیڑا تو ان پر بہت لے دے ہوئی حتیٰ کہ بات مقدموں تک جا پہنچی۔ جیسے سترھویں صدی میں پادری جان رہبر نے ہم جنسیت کی سزا موت تجویز کی تھی۔اس اعلان کے چار سال بعد یعنی ١٦٤٦ء میں ولیم پلین کو ہم جنسیت کے ارتقاب پر قاضی جان ونتھروپ نے سزائے موت سنائی تھی کہ ولیم پلین نے شادی شدہ ہونے کے باوجود افزائش نسل کے اصول کے خلاف ہم جنسیت کا ارتقاب کیا ہے اسے سزائے موت دے کر عبرت بنایا جائے۔برصغیر خطہ ءپاک وہند میں اکثر ممالک میں اس کی ممانعت ہے اور اس ممانعت کی وجہ سے بیسویں صدی کی آخری دہائیوں تک ہم جنسیت پر کھل کر لکھنے سے اجتناب کیا جاتا رہا ہے۔بیسویں صدی میں قرۃ العین حیدر اور انتظار حسین کے افسانوں میں اشارے ملتے ہیں، جب کہ عصمت چغتائی اور منٹو کے افسانوں میں کہانیاں اور کردار مل جاتے ہیں۔

اکیسویں صدی میں اظہار بیان نے اس قدر آزادی ضرور حاصل کر لی ہے کہ ادیب جو کچھ سوچتے ہیں وہ لکھنے کی جسارت بھی کر رہے ہیں۔معاصر ادیبوں میں جسارت کا پہلا معرکہ رحمن عباس کے ناولوں کی صورت میں دیکھنے کو ملا۔رحمن عباس انڈیا سے تعلق رکھتے ہیں اور انڈیا میں تو قانونی طور پر بھی ہم جنس جوڑوں کو آزادی اور تحفظ حاصل ہے۔پاکستان میں محمد حفیظ خان نے ایسی جسارت ضرور کی مگر ان کا بیانیہ صرف جسمانی مباشرت کے ذریعے لذت اور مالی آسودگی تک ہی محدود رہا ہے، مطلب حفیظ خان کے ناولوں میں مغرب کی طرح قانونی جوڑے بنتے ہوئے نظر نہیں آتے۔معاصر ناول نگاروں میں انڈیا سے تعلق رکھنے والے اشعر نجمی اردو ادب کے سب ادیبوں پر برتری لے گئے اور انہوں نے اپنے ناول "اس نے کہا تھا" میں کھل کر اس موضوع پر اپنا نکتہ نظر اور سماجی رویہ بیان کیا ہے۔

> "اردو افسانوں میں ہم جنس میلانات کو بھی موضوع بنایا گیا ہے۔اس سلسلہ میں مردوں کے ہم جنس رجحانات پر مبنی حسن عسکری کے افسانے 'پھسلن' اور عورتوں کے ہم جنس رجحانات پر مبنی صدیقہ بیگم کے افسانے 'تارے لرز رہے ہیں'، ممتاز شیریں کے افسانے 'انگڑائی' اور عصمت چغتائی کے افسانے 'لحاف' اپنی طرز کے بہترین افسانے ہیں۔ہمارے مخصوص سماجی نظام میں ایسے موضوعات پر قلم اٹھانا بجائے خود ایک بڑا انحراف ہے اور پھر یہ کہ ایسی کہانیاں لکھتے وقت موضوع کی نزاکت کے حوالے سے انصاف کرنا بھی بڑی اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔قیام پاکستان کے بعد اس موضوع پر لکھنے سے احتراز کیا گیا اور جو افسانے بھی لکھے گئے ہیں، وہ بھی پھسلن

اور لحاف کے بر عکس براہ راست ہم جنسیت پر مبنی نہیں ہیں۔ بلکہ بالواسطہ
طور پر ان افسانوں میں ہم جنس رجحانات کی نشاندہی ملتی ہے“۔(۶)

خطہ پاک و ہند کی ثقافت اور مذہب کے دباؤ کو مد نظر رکھتے ہوئے ادب میں جنسیت اور جنسی انحراف مطلب ہم جنسیت پر براہ راست بات کرنا تو موت مول لینے کے مترادف ہے۔ یہاں جس نے جنسیت پر بھی بات کرنے کی ہمت کی وہ زیر عتاب رہا اور پھر ہم جنسیت جیسے حساس موضوع پر بات کرنے کے لیے ڈی ایچ لارنس جیسے دل گردے کی ضرورت تھی ۔بعض ادیبوں نے کوشش ضرور کی مگر وہ بھی کھل کر بات کرنے سے گریزاں ہی رہے۔ جیسے صلاح الدین درویش صاحب نے بات کی ہے کہ اردو افسانے میں ہم جنسیت کے اشارے ضرور ملتے ہیں، جیسے فرخندہ لودھی کا افسانہ ”گولڈ فلیک“ کی مس نفیسہ بھی ہاسٹل میں ایک لڑکی کے ساتھ رہتی ہے۔ اس میں ایسی کوئی خاص بات نہیں کی گئی جہاں ان دونوں کا جسمانی اختلاط نظر آتا ہو۔ ہاسٹل میں ساتھ رہنے کا یہ ہر گز مطلب نہیں کہ یہ دونوں خواتین ہم جنسیت کا شکار ہیں ۔اس حقیقت کو مخفی رکھنے کے پیچھے ثقافتی اور مذہبی دباؤ ہے، جس نے اس حقیقت سے پردہ نہیں اٹھانے دیا۔ موجودہ دور میں جہاں بہت سی لڑکیاں ہاسٹل لائف گزار رہی ہیں اور جنسی امور سے بخوبی واقف ہونے کے باوجود بھی جنس مخالف تک رسائی نہیں رکھتیں۔ اس رسائی میں ناکامی کے پیچھے شرم و حیا کا دامن نہ چھوڑنے کی مجبوری یا بیرونی حالات اور مذہبی تناظر میں اتنی آزادی نہ ہونا، کچھ بھی ہو، حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے اپنی جنسی تنہائی کو دور کرنے کے لیے ہم جنسیت جیسے محفوظ اور ملذذ راستے کا انتخاب کر لیا ہے تو وہ ان تک محدود ہے اور تحریری اور تقریری سطح پر مخفی ہے۔

جسم کی پکار یکساں ہونے کے باوجود بھی آسودگی کی شکلیں مختلف ادوار میں مختلف رہی ہیں اور مختلف ہو سکتی ہیں۔ سکول میں بچوں کی جنسی آشنائی اور پھر اس خواہش کی تکمیل مختلف طریقوں سے راستہ پاتی ہے۔ یہی بچے جب جوانی کی سیڑھیوں پر قدم رکھتے ہیں تو جنسی آسودگی کی پکار یکساں ہونے کے باوجود اس کی تکمیل کے راستے تبدیل ہو جاتے ہیں۔ بعد ازاں کی زندگی میں کبھی خواہش، کبھی عادت اور کبھی مجبوری غالب آ جانے پر جنسی آسودگی کے طریقے روایت سے بغاوت کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ عمر کے ساتھ ساتھ دوسری چیز خطے اور آب و ہوا کا بھی گہرا تعلق ہے۔ اسلامی یا دیگر مذاہب پر کاربند معاشروں میں جنس مخالف کی طرف شادی سے پہلے رجحان رکھنا یا کشش دکھانا خلاف تہذیب گردانا جاتا ہے، تو ایسے معاشروں میں نہ چاہتے ہوئے بھی ہم جنسیت اور جلق کا استعمال پروان چڑھتا ہے۔ جہاں آب و ہوا گرم ہے اور شادی کسی مخصوص عمر یا مخصوص بندھن کی پابند ہے تو ایسے معاشروں میں بھی ہم جنسیت جڑیں پکڑنے لگتی ہے۔ اردو افسانے میں منٹو، عصمت چغتائی، واجدہ تبسم، کرشن چندر، حسن عسکری، رجندر سنگھ بیدی جیسے ادیبوں نے جنسیت کو موضوع بنایا ضرور مگر اس موضوع کو روایتی جنسیت سے جوڑے رکھا اور بغاوت یا انحراف اگرچہ سماج میں موجود تھا تاہم اس پر بات کرنے کی ہمت عصمت چغتائی کے حصے میں آئی، باقی ادیبوں نے اگر اس موضوع کو چھیڑنے کی ضرورت محسوس بھی کی تو ڈھکے چھپے لفظوں اور علامتی اور اشاراتی انداز سے کام نکالنے تک خود کو محدود رکھا۔

اردو شاعری براہ راست فارسی شاعری سے متاثر نظر آتی ہے بلکہ اس کے زیر سایہ پروان چڑھی ہے، اسی طرح اردو ناول بھی انگریزی ادب کے زیر سایہ جنم لے کر داستانوی طرز اپنا کر پروان چڑھا ہے۔ اردو ناول جونہی روایتی دور سے باہر نکلتا ہے تو انگریزی ادب سے آشنا لوگوں مثلاً مرزا ہادی رسوا جیسے ادیبوں کے ہاتھوں میں جا پہنچتا ہے۔ مرزا ہادی رسوا کے سامنے سگمنڈ فرائڈ کی تحریک موجود تھی اور اس نے سگمنڈ فرائڈ کے علاوہ بھی انگریزی ادب سے شدھ بدھ حاصل کر رکھی تھی۔ انگریزی ادب سے رغبت رکھنے والے ادیبوں نے نہ صرف اسے داستانوی رنگ سے نکال کر حقیقت سے جوڑا بلکہ حقیقت کے ان پہلوؤں سے پردہ بھی اٹھایا جن کو شجر ممنوعہ کا درجہ حاصل تھا مطلب خطہ پاک و ہند میں انیسویں صدی میں جن موضوعات پر بات کرنا خلاف تہذیب جانا جاتا تھا۔ انیسویں صدی کے آخری اور بیسویں صدی کے پہلے نصف تک جن ادیبوں نے جنسیت جیسے حساس موضوع پر لکھا وہ بھی روایتی جنسیت کے زیر سایہ ہی رہے۔ مرد اور عورت کے جنسی تعلقات اور اس میں طوائف کو موضوع بحث بنائے رکھا۔ بیسویں صدی کے پہلے نصف کی آخری دہائی میں عصمت چغتائی نے "ٹیڑھی لکیر" جیسا ناول لکھ کر جس حقیقت کا پردہ چاک کیا وہ تقریباً پچھلی ایک صدی سے مخفی پڑی تھی۔ مرزا ہادی رسوا کے سامنے سگمنڈ فرائڈ یا اس قبیل کے دیگر ادیب تھے مگر عصمت چغتائی کے سامنے ڈی ایچ لارنس کے متنازع ناولوں کے نمونے موجود تھے۔ "ٹیڑھی لکیر" کی شمن نے ہاسٹل لائف میں مشنری سکول میں ہم جنسیت کے متعلق جانا اور پھر خود بھی اسی رو میں بہہ گئی۔

عصمت چغتائی نے ہاسٹل لائف میں ہائی سکول کی لڑکیوں کے ہم جنسیت کی طرف مائل ہونے والے منظر کو شمن، سعادت، نجمہ، ٹیچر، ٹیچر کی بہن کے ذریعے بڑی صراحت سے اور بلیغ انداز میں بیان کیا ہے۔ ہائی سکول کی لڑکیاں عموماً پندرہ سولہ کے پیٹے میں ہوتی ہیں، مگر جنسیت کے اصولوں سے شاید شادی شدہ خواتین کی طرح بھرپور واقفیت رکھتی ہیں۔ شمن کی زندگی میں ہم جنسیت کے ابتدائی معرکے بھی ہائی سکول کے ہاسٹل میں ہی وقوع پذیر ہونا شروع ہوئے۔ ہاسٹل لائف میں جب لڑکے یا لڑکیاں جوڑوں کی صورت میں تنہا ماحول میں رہتے ہیں تو ان کا ہم جنسیت کی طرف مائل ہونا ماحول کا عطا کردہ لگتا ہے۔ شمن بھی ہم جنسیت کی طرف یوں مائل ہوتی ہے:

> "وہ ایف اے میں ہائی تھی اور ہائی سکول کی لڑکیوں سے بہت بزرگانہ برتاؤ کرتی تھی، جب وہ سعادت کے کمرے میں آتی تو شمن کو دیکھ کر ذرہ دیر کو بھڑک جاتی۔ بیٹھتی تو بالکل خاموش ورنہ جلدی سے بہانہ کرکے چلی جاتی۔ نجمہ سے شمن بالکل بے تکلف نہ تھی اور عموماً اسے دیکھ کر ذرہ پریشان ہو جاتی تھی، کبھی شمن اپنے کمرے میں آتی تو نجمہ بھی جو ہنس ہنس کر سعادت سے باتیں کرتی ہوتی ایک دم خاموش ہو جاتی اور دوسرے لمحے اُسے کوئی نہایت ضروری کام نکل آتا اور وہ چلی جاتی، مگر نجمہ کو دیکھ کر شمن

کچھ عجیب طرح بے چین ہو جاتی۔ جتنی دیر کھڑی وہ باتیں کرتی رہتی ثمن کا دل بے ترتیبی سے دھڑکا کرتا وہ جلدی سے اس کی طرف سے توجہ ہٹا کر بے کار کے کام کرنے لگتی، مگر جب وہ چلی جاتی تو ثمن کو بہت افسوس ہوتا کہ آخر اس نے اسے اچھی طرح دیکھا کیوں نہیں''۔(۷)

ہم جنسیت کی تحریک نے بیسویں صدی میں ہی اردو ناول کو متاثر کرنا شروع کر دیا تھا مگر بہت سے ناول نگاروں نے اس تحریک کے اثرات کو قبول نہیں کیا یا ان حقائق سے آنکھیں چراتے رہے۔ لیسبین ہم جنسیت کے اشارات ہاسٹل لائف میں موجود تھے بالکل اسی طرح گے ہم جنسیت گے کے اثرات دینی مدرسوں کے ہاسٹلز میں موجود تھے مگر ناول نگار ان حقائق کو سامنے لانے سے کتراتے رہے۔

ہم جنسیت کی تحریک کے اثرات اردو ناول میں نہایت نازک مگر اہم پہلو کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اگرچہ اس موضوع کو روایتی جنسیت یا طوائف کے کوٹھے کی صورت اردو ناول میں جگہ نہیں دی گئی تاہم تحریک کے اثرات نے ناول نگاروں کو اس قدر جنجھوڑا ضرور کہ باطنی طور پر اندرونِ خانہ ان حقائق کے شانہ بہ شانہ چلنے کے لیے تیار ہو گئے۔ تاہم بعض ناولوں میں اس کی جھلکیاں نمایاں نظر آتی ہیں۔ خان فضل الرحمن کے ناول ''آفت کا ٹکڑا'' کے کردار روز بے بیٹل اور شاعر کے درمیان کشش نہ صرف باہمی رفاقت کو اجاگر کرتی ہے بلکہ یہ اس بات کی علامت بھی ہے کہ جنسیت کا تنوع انسانی تعلقات کی گہرائی اور پیچیدگی کو نئے زاویوں سے سامنے لاتا ہے۔ یہ کشش محض جذباتی یا حسن فریفتگی پر مبنی بھی تھی تو تب بھی اس کے اظہار کو روکنے کے پس منظر میں سماجی روایات، مذہبی پابندیاں اور ممنوعہ خواہشات کا باہمی ٹکراؤ بھی کار فرما ہے۔

اسی طرح ٹیڑھی لکیر میں نجمہ اور سعادت اور پھر ثمن کے درمیان ابھرتے ہوئے رشتے میں لیسبین ہم جنسیت کا پہلو واضح ہوتا ہے۔ یہ رشتہ ایک طرف عورت کی داخلی تنہائی اور جذباتی ضرورتوں کا پتا دیتا ہے، تو دوسری جانب پدر سری سماج کی سختیوں اور عورت کو محدود کرنے والے نظام کی پیداوار کے طور پر ابھرتا ہے۔ اناماری جاگوز اپنی Queer Theory میں اس امر پر زور دیتی ہیں کہ جنسیت کو جامد اور طے شدہ زمروں (heterosexual/homosexual) میں محدود نہیں کیا جا سکتا بلکہ یہ ایک سیال (fluid) اور کثیر الجہتی حقیقت ہے۔ اسی تناظر میں ثمن اور نجمہ کا تعلق عورت کی ان خواہشات کی علامت ہے جو سماجی ڈھانچوں کے خلاف اپنی شناخت تخلیق کرتی ہیں۔

اناماری جاگوز نے ''کوئیر تھیوری'' میں ایسے ہی نظریے کا پرچار کیا ہے کہ شناخت کو فکسڈ یا فطری شکلوں میں قید کرنے کی بجائے کھلا چھوڑ دیا جائے مطلب اس کو اتنا سیال ضرور رہنے دیا جائے کہ من پسند صنفی اظہار کی گنجائش باقی رہے۔ اشعر نجمی کے ناول ''اس نے کہا تھا'' میں رخسار اور ریکھا نے سماج کے سامنے سینے تان کر لیسبین جوڑا ترتیب دیا اور پھر قانونی

طور پر بھی باقی اپنے جیسے جوڑوں کو پناہ دلوائی۔ آفت کا ٹکڑا میں روز بے بیٹل اور شاعر کی کشش اور ٹیڑھی لکیر میں شمن و نجمہ کی رفاقت، دونوں ہی اس حقیقت کی نمائندگی کرتے ہیں کہ جنسیت اور محبت کی تشکیل محض حیاتیاتی یا صنفی بنیادوں پر نہیں ہوتی بلکہ یہ طاقت کے رشتوں، سماجی جبر اور ذاتی خواہشات کے امتزاج سے وجود میں آتی ہے۔

یوں کہا جا سکتا ہے کہ اردو ناول پر ہم جنسیت کی تحریک کے اثرات اگرچہ محدود ہیں، تاہم ''اس نے کہا تھا'' اور ''زندیق'' جیسے ناول بھی اکیسویں صدی میں سامنے آرہے ہیں جہاں اس تحریک کے اثرات واضح طور پر موجود ہیں۔ ہم جنسیت کے رشتے نہ صرف صنفی اظہار کی آزادی کو بلکہ سماج، جنسیت اور معیشت کے باہمی رشتوں کو بھی عیاں کرتے ہیں۔ ان بیانیوں سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ اردو فکشن محض روایت پر اصرار نہیں کرتا بلکہ وہ سماجی اور نفسیاتی پیچیدگیوں کو موضوع بنا کر انسانی رشتوں کے ان گوشوں کو بھی منکشف کرتا ہے جنہیں عمومی طور پر نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ یہی پہلو اردو ناول کو ایک کثیر الجہتی اور جدید فکری سمت عطا کرتا ہے۔

معاصر اردو ناول میں ہم جنسیت کو طبقاتی تفاوت، معاشی محرومی اور سماجی جبر کے تناظر میں دکھایا گیا ہے۔ ان ناولوں میں ہم جنسیت کے رجحان کو ایک ایسے انسانی تجربے کے طور پر برتا جاتا ہے جو خواہش، طاقت اور شناخت کے مابین کشمکش کو عیاں کرتا ہے۔ ہم جنس رجحان کو اگرچہ جنسی انحراف کہا گیا ہے تاہم اشعر نجمی نے اسے بھی محبت اور رغبت ہی کا نام دیا ہے:

> "سب سے پہلے مجھے رخسار ممی نے بتایا تھا کہ 'گے' کا مطلب کیا ہوتا ہے جب ایک ہی جنس کے دو لوگ آپس میں پیار کرتے ہیں تو وہ لوگ 'گے' کہلاتے ہیں۔ وہ دو ممیاں بھی ہو سکتی ہیں اور دو ڈیڈی بھی''۔ (۸)

لیسبین جوڑا اپنے بچے کو ہم جنسیت کا مطلب کتنے خوبصورت انداز میں سمجھاتا ہے، کہ جب دو ہم جنس لوگ پیار کرتے ہیں اسے ہم جنسیت کہتے ہیں۔ اس جنسی جوڑے کو ہوس پرستی، طرفی رجحان یا دیگر ایسے نام دینے والے لوگ بھی موجود ہیں۔ ہم جنسیت میں محبت کا عنصر غالب ہے چاہے یہ جوڑا ہم عمر ہو، ہم منصب ہو یا ان میں عمر، سٹیٹس یا دیگر حوالوں سے افتراق ہو تب بھی یہ ہم جنس پرست باہم محبت کا اظہار کرتے ہیں:

> "وہ نیلی شرٹ والا جو مجھے دیکھ کر مسکرا رہا ہے، ہم پانچ سال تک ساتھ رہے تھے۔ ہر ہفتے کے آخر میں جب میرے پاس جگہ ہوتی تھی، اور میرے روم پارٹنر باہر گئے ہوتے تھے یا پھر اس کی بیوی جب کہیں اور گئی ہوتی تھی۔ ان طویل برسوں میں مجھے ہر ویک اینڈ کی ہر چیز یاد ہے سوائے اس کے چہرے کے، البتہ اس کی فیورٹ نیلی شرٹ آج بھی یاد ہے جس سے گٹکے

کی بو آتی تھی۔ مجھے اس کے چہرے پر مونچھیں اور ایک بڑا تل یاد ہے لیکن مجھے اس کا چہرہ یاد نہیں، تھوڑا سا بھی نہیں۔ ابھی بھی میں نے اسے اس کے چہرے سے نہیں، اس کی نیلی شرٹ سے پہچانا، یا پھر شاید اس کی وہ مسکراہٹ جو ہوا میں معلق تھی"۔ (۹)

مذکورہ بالا اقتباس میں ہم جنسیت کا خالص روپ سامنے آتا ہے کہ دونوں میں سے کسی ایک نے بھی ظاہری حسن یا باہمی جوڑ کی صورت کو نہیں دیکھا بلکہ محبت کو دیکھا ہے۔ ایک کے کپڑوں اور منہ سے گٹکے کی بو آنے کے باوجود ان کے درمیان موجود محبت میں کمی نہیں آئی۔ دوسری صورت تب سامنے آتی ہے جب شادی ہونے کے بعد بھی موقع ملنے پر وہ اپنے دوست سے ملنے آتا ہے اگر ان کے درمیان صرف ہوس پرستی یا جسمانی طلب ہوتی ہو تو شادی کے بعد دونوں کو ملنے کی ضرورت نہیں تھی۔ اناماری جاگوژ نے اسی جنسیت کو "سیال شناخت" کہا ہے۔ ان کے مطابق جنسِ مخالف یا ہم جنسی کشش دراصل کسی فطری اصول کا حصہ نہیں بلکہ سماجی، ثقافتی اور نفسیاتی تشکیل کا نتیجہ ہے۔

مذکورہ بالا کرداروں کی طرح دیگر لوگ بھی جو دوہری زندگی مطلب ازدواجی زندگی اور خفیہ ہم جنس تعلق رکھتے ہیں وہ اس بات کا مظہر ہیں کہ شناخت کوئی جامد چیز نہیں، بلکہ تغیر پذیر اور مزاحم کیفیت ہے جو سماجی جبر کے خلاف اپنی موجودگی کا ثبوت مہیا کرتی ہے۔ مشل فوکو نے اسی نظام کو طاقت کا نظام قرار دیا ہے، یہی وہ طاقت ہے افراد کے جسم پر اخلاقی صورت میں اپنی گرفت مضبوط رکھتی ہے اور سلویا فیڈریچی کے مطابق شادی اس گرفت کا معیشتی ہتھیار ہے۔ جاگوژ انہی کرداروں کی معترف نظر آتی ہے وہ ان کو "سیال" قرار دیتی ہے جو سماجی جبر اور تجاوزات کے درمیان رہ کر بھی اپنی شناخت کا کوئی امکان ڈھونڈ نکالتے ہیں۔

رخسار اور ریکھا لیسبین ہیں۔ رخسار ایک مشہور ڈاکٹر ہیں اور ریکھا مشہور آرٹیکل رائٹر ہیں۔ دونوں کو ہی مردوں میں کوئی کشش نہیں تھی، دونوں نے اپنے ابتدائی ایام سے ہی خود کو عام خواتین سے مختلف محسوس کیا اور پھر اپنے لباس واطوار سے بھی یہ ثابت کیا کہ وہ عام لوگوں سے مختلف ہیں۔ دونوں خواتین پڑھی لکھی ہونے کی وجہ سے سماجی شعور سے باخوبی آگاہ تھیں، اس لیے ان کو معلوم تھا کہ معاشرہ ان کو قبول نہیں کرے گا۔

مجھے شروع ہی سے اپنے بارے میں معلوم تھا کہ میں کیسی ہوں۔ ہم جیسے ہوتے ہیں نا، ویسے ہی ہمیشہ رہتے ہیں۔ اس کے علاوہ کچھ اور کچھ ہو ہی نہیں سکتے۔ مجھے مردوں میں کبھی کوئی کشش محسوس نہیں ہوئی۔ میں نے سوچا یہ لو۔۔۔ یہ کون سی بڑی بات ہے۔ میں اور رخسار آپس میں ایسی محبت کرتے

ہیں جیسے باقی جوڑے کرتے ہیں۔ ہمیں ایک دوسرے کا بہت سہارا ہے۔ ہم
نے بقیہ زندگی ایک ساتھ گزارنے کا وعدہ کیا"۔(۱۰)

اشعر نجمی نے ہندوستان کے ماحول کی حقیقی تصویر کشی کرنے کی کوشش کی ہے، ہندوستان میں ۲۷ جون ۱۹۹۹ء کلکتہ میں ہم جنس آزادی پرستوں کی آزادی کے لیے جو جلوس نکلا تھا، ۲۰۰۱ء میں اس کی عملی مثال سامنے آتی ہے۔ اس مثال کو ٹائمز آف انڈیا، اور وکی پیڈیا نے نقل کیا ہے:

"چنانچہ مغربی ممالک میں ہم جنس پرست (Homosexual) آپس میں
باقاعدہ شادیاں کر رہے ہیں اور میاں بیوی کی طرح ایک چھت کے نیچے
زندگی گزار رہے ہیں ہندوستان میں بھی کچھ عرصہ سے ہم جنس پرستوں کی
شادیوں کی خبریں اخبارات کی زینت بنتی رہتی ہیں، اور اس طرح کی شادی کا
سب سے پہلا معاملہ چھتیس گڑھ میں پیش آیا وہاں ۲۷ مارچ ۲۰۰۱ء کو سرگجا
میں ضلع ہسپتال کی نرس تنوجا چوہان اور جیا ورما نے باقاعدہ ہندو راج کے
مطابق شادی کی"۔(۱۱)

اشعر نجمی کے ناول میں رخسار اور ریکھا کی کہانی دراصل اس صنفی نظام کے خلاف بغاوت ہے جو عورت کی خواہش اور شناخت کو ہمیشہ مرد کی مرکزیت میں قید رکھتا ہے۔ دونوں خواتین کا آپس میں رشتہ، سماجی مخالفت کے باوجود، اپنی وجودی سچائی پر قائم رہتا ہے۔ اناماری جاگوز کہتی ہیں کہ لیسبین تعلق سماج کے جبری غیرت مند نظام کی مخالفت اور مزاحمت کرتا ہے جو عورت کی جنسی خواہش اور محبت کو مرد تک محدود رکھنا چاہتا ہے۔

ہم جنسیت پرستوں کا نفسیاتی مطالعہ کرنے سے بہت سی پرتیں کھل کر سامنے آتی ہیں۔ ان پرتوں کا تعلق داخل خارج، انفرادی، معاشرتی، شعوری اور لاشعوری بہت سے پہلوؤں سے ہے۔ ہوموسیکشوالیٹی کیا ہے؟ ماہرین اس کے جواب میں دو گروہ بتاتے ہیں۔ ایک گروہ وہ ہے جس کا مقصد صرف جنسی لذت مطلب مباشرت ہے اور دوسرہ وہ ہے جن کا تعلق جذباتی اور ذہنی ہم آہنگی سے ہے اور وہ گروہ اسی ہم آہنگی کی بنا پر اس تعلق کو مباشرت تک لے جاتا ہے۔ دوسرے گرہ کے ہم جنسیت پرست اپنی ہی جنس کے افراد کے ساتھ اپنے دکھ سکھ، خوشی غمی اور ہر بات شیئر کرنا چاہتے ہیں اور اپنی ہی جنس کے افراد کو اپنا شریک حیات بنانا چاہتے ہیں۔ ماہرین کے بقول ایسے گروہ کو صرف مباشرت تک محدود کر دینا ناانصافی ہے۔ ہوموسیکشوالیٹی کیوں ہے؟ اس سوال کا جواب مختلف ماہرین اور محققین مختلف دیتے ہیں مگر تسلی بخش یا یکساں جواب دینے سے قاصر نظر آتے ہیں۔ کچھ ماہرین، اسے خاندانی، جینز، حالات، ماحول یا ذہنی ہم آہنگی کی وجہ قرار دیتے ہیں، مگر یہ سب جواب ادھورے اور وقتی تسلی بخش نظر آتے ہیں۔

ہم جنسیت کی تحریک نے مختلف ممالک میں مختلف اثرات چھوڑے ہیں اوراس کے بدلے میں مقتدر اتھارٹیز نے ردو قبول میں متنوع جواب دیے ہیں۔یورپ و امریکہ میں کے بر اعظموں میں سے نیدر لینڈز پہلا ملک بنا جس نے ۲۰۰۱ء ہم جنس جوڑوں کی شادی کو قانونی طور پر قبول کر لیا۔ اس کے بعد کینیڈا، اسپین، برطانیہ، فرانس اور بالآخر ۲۰۱۵ء میں امریکہ کی سپریم کورٹ نے بھی same-sex marriage کو قانونی قرار دیا۔سماجی رجحان اوررویوں کی بات کی جائے تو مغربی معاشروں میں LGBTQ+ تحریک نے تعلیم، اکیڈمیا، میڈیا اور سیاست میں مضبوط جگہ بنالی ہے۔ Pride parades، قانونی تحفظات، اور انسانی حقوق کے عالمی چارٹرز نے اسے ایک "فطری حق" کے طور پر پیش کیا۔روایتی اور سخت گیر مذہبی عیسائی تنظیموں اور قدامت پسند سیاسی گروہوں نے اس کے خلاف سخت موقف اختیار کیا، مگر عمومی سطح پر ریاستی و سماجی ادارے قبولیت کی طرف گئے ہیں۔

لاطینی امریکہ کی بات کی جائے تو وہاں کہ آزاد خیال اور ترقی یافتہ ممالک میں سے ارجنٹینا اور برازیل نے ہم جنس شادی کی نہ صرف اجازت دے رکھی ہے بلکہ قانونی تحفظ بھی فراہم کرر کھا ہے۔ تاہم دیگر ممالک میں مذہبی بنیادوں پر مزاحمت موجود ہے۔افریقہ میں بیشتر ممالک نے ہم جنس پرستی پر سخت قوانین رکھے ہوئے ہیں۔ان ممالک میں زیادہ تر ایسے ممالک ہیں جہاں آبادی کی کثیر تعداد مسلمانوں پر مشتمل ہے (جیسے نائیجیریا، یوگنڈا) جہاں اسے جرم تسلیم کیا جاتا ہے اور بعض جگہوں پر موت کی سزا تک دی جاتی ہے۔

مشرقِ وسطیٰ میں تقریباً تمام عرب و اسلامی ممالک میں ہم جنس پرستی جرم ہے، اکثر ممالک میں شرعی قوانین کے تحت سخت سزائیں دی جاتی ہیں۔ایشیا میں بھارت نے۲۰۱۸ء میں تاریخی فیصلہ دیا (Section 377 of IPC) کہ consensual homosexuality جرم نہیں۔ یہ پورے خطے میں بڑی پیش رفت تھی۔پاکستان، افغانستان اور بنگلہ دیش میں یہ اب بھی غیر قانونی ہے اور سماجی طور پر شدید رد ہے، اگرچہ خفیہ سطح پر ایک مخصوص سب کلچر موجود ہے۔ پاکستان میں ریاستی و مذہبی سطح پر سخت رد موجود ہے۔ قانونی طور پر یہ جرم ہے(پاکستان پینل کوڈ کی دفعہ 377)۔ادبی سطح پر محدود حوالہ جات ملتے ہیں، مگر زیادہ تر خفیہ یا اشارتی انداز میں نظائر موجود ہیں۔ایک اہم پہلو یہ ہے کہ یہاں transgender (خواجہ سرا) کمیونٹی کو کسی حد تک سماجی شناخت ملی ہے (CNIC پر جنس کی درجہ بندی وغیرہ) لیکن homosexuality بطور شناخت اب بھی ناقابلِ قبول ہے۔

حوالہ جات

1۔ خالد سہیل، ہر دور میں مصلوب، کلکتہ: جی آر ٹی پرنٹرس، ۱۹۹۵ء، ص:۲۰

۲۔ ایضاً، ص:۴۸

۳۔ خالد سہیل، ہر دور میں مصلوب،، ۱۹۹۵ء، ص:۴۶

۴۔ ایضاً، ص ۵۲۔ ۵۳

۵۔ Queer Theory: An Introduction, 1996-23

۶۔ صلاح الدین درویش، جنسی انحرافات، مشمولہ: اثبات، اشعر نجمی، ۲۰۱۹ء ص:۲۷۲

۷۔ عصمت چغتائی، ٹیڑھی لکیر، دھلی پرنٹنگ پریس، رامپور، ۱۹۶۷ء ص:۹۲

۸۔ اشعر نجمی، اس نے کہا تھا، اثبات پبلیکشنز، مہاراشٹرا، انڈیا، ۲۰۲۱ء، ص:۹۴

۹۔ ایضاً، ص:۱۴

۱۰۔ اشعر نجمی، اس نے کہا تھا، لاہور: عکس پبلیکشنز، ۲۰۲۱ء، ص:۹۶

۱۱۔ محمد شفیع جے پوری، مفتی، ہم جنس پرستی ایک لعنت، اصلاح معاشرہ، جے پور، ۲۰۱۶ء، ص ۵

References:

1. Khalid Sohail, Har Daur Mein Masloob, Calcutta: G.R.T. Printers, 1995, p. 20.
2. Ibid, p. 48.
3. Khalid Sohail, Har Daur Mein Masloob, Calcutta: G.R.T. Printers, 1995, p. 46.
4. Ibid, pp. 52-53.
5. Annamarie Jagose, Queer Theory: An Introduction, New York: New York University Press, 1996, p. 23.
6. Salahuddin Darwesh, "Jinsi Inhirafat", in Asbaat, ed. Ashar Najmi, 2019, p. 272.
7. Ismat Chughtai, Teerhi Lakeer, Delhi Printing Press, Rampur, 1967, p. 92.
8. Ashar Najmi, Us Ne Kaha Tha, Asbaat Publications, Maharashtra, India, 2021, p. 94.
9. Ibid, p. 14.
10. Ashar Najmi, Us Ne Kaha Tha, Lahore: Aks Publications, 2021, p. 96.
11. Muhammad Shafi Jaipuri, Mufti, Ham Jinsi Parasti Ek Laanat, Islah-e-Maashrah, Jaipur, 2016, p. 5.